Advertisement at Urdu Palace

Are you looking for an affordable website to advertise your business?
Urdu Palace offers lowest rates for all advertisers.
For Advertisement of your brand or business on our website call us or contact through

Whatsapp on following numbers:+92-348-8709449,+92-303-5110135

بغاوت کی چنگاری

سلمیٰ غزل

جولائی کی گرم سہ پہر اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے سامنے پسینے میں شرابور دیگچی میں چمچہ چلا رہی تھی۔ گرمی کی حرارت دماغ تک جا پہنچی تھی اور اس پر بچوں کا شور دماغ پر جیسے ہتھوڑے برسا رہا تھا۔

''ہماری بھی کوئی زندگی ہے ہر وقت کی غلامی ..... صبح فجر سے لے کر رات گئے تک کام ہی کام گویا عورت نہ ہوئی کولھو کا بیل ہوگئی۔'' ایسی ہی کئی سوچیں اس کے دماغ پر حاوی تھیں۔ وہ چولھا بند کر کے کمرے

میں آکر پسینہ سکھانے لگی۔ پنکھے کی ہوا نے ذہن کو سکون بخشا تو کارنس پر دھری اپنی اور انشال کی مسکراتی ہوئی تصویر نے پل بھر میں اس کا غصہ زائل کر دیا۔

''کتنے اچھے ہیں انشال، یہ سب فضابا جی کی فضول باتوں کا اثر ہے ورنہ انشال تو ہرگز بھی ایسے نہیں ہیں، صبح سے شام تک کولھو کا بیل بنے رہتے ہیں مگر مجال ہے جو ماتھے پر شکن ہو۔ کالج سے نکل کر کوچنگ سینٹر چلے جاتے ہیں پھر ٹیوشن پڑھا کر رات گئے جب گھر لوٹتے ہیں تو خوش باش ہنستے مسکراتے.....اور بغیر آرام کیے اپنے بچوں کو بھی پڑھائی میں مدد دینے بیٹھ جاتے ہیں۔ ہر ماہ پوری تنخواہ میرے ہاتھ پر رکھ دیتے ہیں۔ یعنی سیاہ وسفید کی مالک میں خود اور اپنی ضرورت کے لیے مجھ ہی سے پیسے مانگتے ہیں.....'' ذہن کو ٹھنڈک اور تازگی ملی تو اپنے منفی خیالات پر اسے شرمندگی ہونے لگی وہ بچوں کی آوازیں سن کر باہر آئی تو اُن کی شرارتوں اور معصوم مسکراہٹوں نے دل کا سارا غبار دور کر دیا۔ کچھ دیر ستانے کے بعد جب وہ دوبارہ کچن میں گئی تو دروازے کی گھنٹی بجنے لگی۔

''بیٹا آذر دروازہ کھولو تمہارے ابو ہوں گے۔''

ہمیشہ وہ خود گیٹ کھول کر والہانہ انداز میں انشال کا استقبال کرتی تھی لیکن آج اس کے کانوں میں فضابا جی کی آواز گونج رہی تھی۔

''عورت خود بڑھ کر مرد کا استقبال کرتی ہے یہ ذہنی پستی اور غلامی کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔''

''بیٹا! تمہاری امی کہاں ہیں؟'' انشال نے آتے ہی بے تابی سے پوچھا کیونکہ سوائے بیماری کے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ اس نے خود بڑھ کر دروازہ نہ کھولا ہو۔

''ابو، امی شاید کچن میں ہیں۔'' علیزہ کا دل چاہا کہ لپک کر کچن سے باہر نکل آئے۔

''کیا بات ہے میری جان! آج اب تک کچن میں ہو۔'' انشال نے وہیں اس کے کندھے پر ٹھوڑی ٹکاتے ہوئے پیار سے کہا وہ بے مقصد چیزیں اِدھر سے اُدھر کرنے لگی۔

''آپ کمرے میں چلیں، میں آتی ہوں۔'' پھر وہ بے چین ہو کر اس کے ساتھ ہی کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

کھانا بہت مزیدار تھا مگر بریانی میں مرچیں کافی تیز تھیں خود علیزہ کی آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ بچوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

''امی بریانی میں مرچیں حد سے زیادہ ہیں۔ ہم نہیں کھا پا رہے..... راستے میں بھی آپ نے زیادہ مرچیں کر دیں'' انشال کی بھی سی، سی جاری تھی۔

''آج مرچیں کچھ زیادہ ہی ہو گئی ہیں چلو میری تو خیر ہے مگر بچے نہیں کھا رہے ...تم یوں کرو، علیزہ انہیں آملیٹ، ڈبل روٹی دے دو.....'' انشال نے نرمی سے کہا اور علیزہ کے کانوں میں فضابا جی کی آواز گونج اٹھی۔

''کیا عورتیں صرف تنقید سننے کو رہ گئی ہیں۔'' اسے غصہ آ گیا۔ ''سارا دن کام میں لگی رہتی ہوں اور بچوں کے مزاج ہی نہیں ملتے۔'' پھر اس نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ چیخ کر بولی۔

''لونڈی ہوں ناں اس گھر کی..... باپ، بیٹے نقص نکالنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ دو لفظ تعریف کے تو کبھی منہ سے نکلتے نہیں۔'' اس کے منہ میں جو آیا وہ نظریں ملائے بغیر بولتی چلی گئی یہ دیکھے بغیر کہ اس کے تیز و تند جملوں کا بچوں پر کیا اثر ہو رہا ہے اور وہ کس قدر عجیب و غریب نظروں سے ماں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ انشال کی بے چین نظریں اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

''یہ میری علیزہ تو نہیں، صبر و تحمل اور برداشت والی۔'' خود انشال کو بھی اونچی آواز میں بولنا اور چھوٹی، چھوٹی باتوں پر بھڑکنا اور بدمزگی پھیلانا پسند نہیں تھا۔ علیزہ کی اس خوبی کا تو وہ بھی معترف تھا کہ عام عورتوں کی طرح گھر میں گھستے ہی اس کے سامنے مہنگائی کا رونا، کام کی زیادتی اور بچوں کی شکایتوں کا دفتر نہیں کھولتی تھی بلکہ وہ ہمیشہ انشال کا حوصلہ بڑھاتی اور قدم،

قدم پر اس کا ساتھ دے کر اپنی محبت کا یقین دلاتی تھی حالانکہ شادی کے ابتدائی دن کچھ زیادہ پُرآسائش نہیں تھے۔ انشال کی والدہ حیات تھیں اور والد گزر چکے تھے۔ دو بہنیں ملک سے باہر بیاہی تھیں لیکن مسقط اور دبئی اتنا بھی دور نہ تھا کہ سال میں ایک مرتبہ پاکستان نہیں آئیں اور علیزہ بہت اچھی مہمان نواز تھی۔ انشال کی تنخواہ محدود تھی۔ ایک سترہ گریڈ کے لیکچرار کو تنخواہ ملتی ہی کتنی ہے پھر اماں نے اس کی نوکری ہوتے ہی شادی کا غلغلہ مچا دیا تھا۔ علیزہ ان کی پسند تھی، پڑھی لکھی، سلیقہ شعار، سگھڑ اور محنتی۔ مگر آج علیزہ کو جانے کیا ہو گیا تھا۔ انشال نے خاموشی کو زباں نہ دی اس پر علیزہ اور بھی چڑ گئی۔

''ہاں، ہاں میں تو پاگل ہوں جو بلاوجہ ہی چیخے چلی جا رہی ہوں۔ بچوں اور ان کے ابا کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو..... برستی گرمی اور تپتی دوپہر میں ایک دن بھی کھانا پکالیں تو ہوش ٹھکانے آجائیں، ایک میں ہوں کہ سارا دن پھرکی کی طرح گھر میں ناچتی رہتی ہوں۔ اس پر نہ کسی کو احساس ہے نہ میری قدر بس سب سے تنقید کروالو.....'' اس کی آواز بھرا گئی تھی وہ ابھی کچھ اور بھی کہنا چاہ رہی تھی کہ دو نرم گرم بانہوں نے اسے اپنے حصار میں لے لیا وہ گھبرا گئی، بچے جانے کب اس کے غصے سے ڈر کر بھوکے ہی میز سے اٹھ گئے تھے۔

''علیزہ میری جان مجھے دکھ ہے کہ تمہیں ہمارے لیے اتنی مشقت اٹھانی پڑتی ہے کوشش تو بہت کرتا ہوں آمدنی میں اضافے کی مگر وقت کی کمی ہے.....'' انشال کی نرم اور پُرخلوص آواز نے اسے ندامت کے پاتال میں دھکیل دیا۔

''علیزہ مجھے بے حد تکلیف ہوتی ہے جب تمہیں اتنی محنت کرتے دیکھتا ہوں اور وہ بھی ہمارے لیے..... گھر سنبھالنا، کھانا پکانا اور بچے پالنا صرف عورت ہی کی تو ذمے داری نہیں یقیناً مجھے بھی تمہارا ان کاموں میں کچھ نہ کچھ ہاتھ بٹانا چاہیے مگر کیا کروں، وقت ہی نہیں ملتا..... میں نے تمہیں بارہا کہا ہے فل ٹائم نوکر رکھ لو میں کسی نہ کسی طرح مینج کرلوں گا مگر تم پر تو بچت کا بھوت سوار رہتا ہے اپنا گھر بنانے کے لیے..... گھر بھی انشاءاللہ ... بن جائے گا مگر تم حوصلہ اور ہمت نہ ہارو ورنہ میں تھک جاؤں گا تم سے تو مجھے توانائی ملتی ہے تمہارے بغیر تو میں کچھ بھی نہیں.....'' علیزہ کو لگا جیسے اس نے تھکے ہارے انشال سے کھانے کے دو لقمے بھی چھین لیے ہوں، کم ظرفی کی انتہا تھی کھانا بھی کسی نے سکون سے نہیں کھایا اور یہ صرف اس کے غصے کی وجہ سے ہوا۔ وہ شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئی انشال کے الفاظ میں جادو تھا جس نے اسے شرمندگی سے دوچار کر دیا اور وہ انشال کے سینے میں منہ چھپا کر ندامت کے آنسو بہانے لگی۔ الفاظ ساتھ چھوڑ چکے تھے لفظ گونگے ہو گئے تھے۔ صرف دھڑکنوں کی تال پر دونوں کے دل دھڑک رہے تھے۔

☆☆☆

وہ سالن بھون رہی تھی جب چھوٹی بہن رمشا جو اسی بلڈنگ کے سیکنڈ فلور پر رہتی تھی اس کے پاس آگئی۔

''باجی، فضا باجی کے یہاں نہیں چلوگی، آج اُن کے گھر میٹنگ ہے۔''

''نہیں رمشا اس وقت نہیں، یہ میرے کام کا وقت ہے، بچے اسکول سے آئیں گے اور تمہارے بہنوئی بھی دوپہر کو کھانا کھانے... گھر ہی آتے ہیں اور پھر رات تک مصروف رہتے ہیں۔'' علیزہ کے لہجے میں انشال کے لیے پیار چھلک رہا تھا۔

''حد ہے باجی تم تو بالکل گھر کی ''گھونس'' بن کر رہ گئی ہو میں نے تو صاف تمہارے بہنوئی سے کہہ دیا ہے کہ آفس سے آتے ہوئے کھانا لیتے آئیں خود بھی کھائیں اور بچوں کو بھی کھلا دیں۔ صاف کر دی میں نے تو اپنے میاں کی طبیعت آگے سے کچھ بولنے ہی نہیں دیا۔ ... آخر اپنی زندگی پر میرا بھی کچھ حق ہے۔'' رمشا کی زبان کے آگے تو خندق تھی، اس نے علیزہ کو کچھ بولنے ہی نہیں دیا اور گھسیٹتی ہوئی گراؤنڈ فلور کے فلیٹ پر لے آئی جہاں سے فضا کی آواز گھر سے باہر تک آرہی تھی۔

''ہماری آزادی میں سب سے بڑی رکاوٹ بچے ہیں، مرد ہمیں بچوں کی نادیدہ زنجیروں میں جکڑ کر غلامی کا طوق پہنا دیتے ہیں۔ بچوں کی پیدائش ان کی دیکھ بھال اور ان کی تعلیم و تربیت ہمارے لیے مصیبت بن جاتی ہے، جوانی کب آئی کب رخصت ہوگئی پتا ہی نہیں چلتا اور ہم مرد کی غلامی میں خوش رہتے ہیں۔ بچوں کو دودھ پلانا..... جونکوں کو خون چوسانے کے مترادف ہے ہماری رعنائی اور دلبرائی سب ان کی نذر ہوجاتی ہے پھر یہی میلے کچیلے ہاتھ اور اجڑے چہرے والی بیویاں انہیں زہر لگنے لگتی ہیں اور وہ پھر حسین، خوب صورت اور دلفریب چہروں کی تلاش میں دریافت کے پرندے کی طرح ڈال، ڈال... پات، پات بھٹکنا شروع کردیتے ہیں، ان سے کوئی پوچھے کہ آخر عورت کو اس مقام پر کس نے پہنچایا اور کیوں؟ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے اس کو ہم اپنی مرضی سے اپنی خوشی کے مطابق کیوں نہیں گزارتیں۔'' وہ تو جیسے تقریر یاد کیے ہوئے تھیں۔ ''ہم عورتوں کا المیہ یہی ہے کہ ہمیں صرف اپنے فرائض یاد رہتے ہیں حقوق کا پتا ہی نہیں اور میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنا مقام پہچانیں اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کریں اور بچوں جیسی مصیبت سے دور رہیں جن کی موجودگی آپ کی جوانی کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔'' فضا باجی کی آواز میں تلخی تھی نفرت اور حقارت تھی۔

''بچے اور مصیبت! توبہ، توبہ فضا باجی کو کیا ہوگیا ہے بچوں سے تو زندگی کا احساس اور زندہ رہنے کی امنگ پیدا ہوتی ہے۔ میرے دونوں بیٹے میرے پاس نہ ہوں تو زندگی کھنڈر کی طرح لگے ویران اور اداس..... ان کی معصوم پیاری پیاری باتیں تو جینے کا آسرا ہوتی ہیں اور پھر بزرگ کہتے ہیں کہ بچے تو میاں، بیوی کے رشتے کو اور مضبوط کرتے ہیں۔ پل بن جاتے ہیں۔ دونوں کے درمیان بھلا بچوں کے بغیر زندگی بھی کوئی زندگی ہے ادھوری اور نامکمل.....!'' یہ علیزہ کے اندر کی آواز تھی جس پر فضا کی تقریر بھاری پڑ رہی تھی مگر علیزہ بے چین تھی اپنے بچوں اور شوہر کے لیے جو گھر پر اس کا انتظار کررہے ہوں گے تب ہی رمشا نے اس کا کاندھا ہلایا۔

''چلو باجی، گھر چلیں دیکھا تم نے فضا باجی نے کتنی اچھی تقریر کی..... میں تو متاثر ہوگئی ہوں ان کے فرمودات سے کس قدر عورتوں کی ہمدرد اور ان کے ساتھ مخلص ہیں۔'' علیزہ گم صم کھوئی، کھوئی حالت میں گھر پہنچی تو انشال اور بچے بھوک سے بلبلا رہے تھے وہ شرمندہ، شرمندہ فوراً کچن میں گھس گئی۔

☆☆☆

شام کو نہا دھو کر اس نے چکن کا نیا جوڑا پہنا۔ آج چھٹی کا دن تھا اور انشال بچوں کو نزدیکی پارک لے گئے تھے وہ گیلے بال سلجھا رہی تھی کہ بچے ہنستے مسکراتے آگئے۔

''علیزہ ذرا آذر کو نہلا دو مٹی میں لوٹ پوٹ ہوگیا ہے.....'' علیزہ کو غصہ آگیا اس نے کس کے ایک تھپڑ اس کے گال پر جڑ دیا۔

''کیا کرتی ہو بلاوجہ اسے مارا۔ لاؤ مجھے دو، میں نہلا دیتا ہوں۔'' انشال کے لہجے میں ملامت تھی۔

''بس رہنے دیں۔'' وہ غصے میں آذر کو کھینچتی ہوئی باتھ روم لے آئی جو اس کے غصے سے سہم گیا تھا کپڑے بدلوا کر جب وہ اس کے کنگھا کررہی تھی تو وہ اس سے لپٹ گیا۔

''سوری امی، اب میں کبھی مٹی میں نہیں کھیلوں گا۔'' علیزہ تڑپ اٹھی اس کے دل پر گھونسا سا لگا اور وہ بے اختیار اس کو گلے لگا کر چومنے لگی اور خود پر ڈھیروں لعنت بھی بھیجی۔

فضا انصاری کو گراؤنڈ فلور پر آئے صرف دو ماہ ہوئے تھے مگر اس قلیل مدت میں وہ ہر دلعزیز ہوگئی تھی، وہ عورتوں کے حقوق کی آواز بلند کرنے میں پیش، پیش تھی اور انہیں اپنے حقوق سے آگاہ کرنا اس کا مشن تھا۔ اس کے ساتھ دو تین ادھیڑ عمر کی عورتیں اور بھی تھیں جو خود کو سوشل ورکر کہتی تھیں۔ ہر وقت بنی سنوری ٹپ ٹاپ..... انگریزی ان کی لونڈی اور فیشن ان کا غلام تھا۔

سارے مرد اُن سے متاثر تھے۔ یہ متوسط طبقے کا علاقہ تھا زیادہ تر آبادی اپارٹمنٹ پر مشتمل تھی۔ اس لیے ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ساجھی اور شریک تھے۔ زیادہ تر مرد حضرات اپنے کام پر اور خواتین گھر میں مصروف رہتی تھیں اور انہیں ان خواتین سے خاص ہمدردی تھی جو حقوق کے لفظ سے نا آشنا تھیں اور خود کو گھر اور بچوں تک محدود کر رکھا تھا وہ انہیں بیدار کرنا چاہ رہی تھیں جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہوگئی تھیں۔ علیزہ کی چھوٹی بہن رمشا تھرڈ فلو پر رہتی تھی طبعاً علیزہ کی ضد تھی بے حد باتونی، طرح دار اور فیشن کی دلدادہ دو بچوں کی ماں ہونے کے باوجود اس کا بچپنا نہیں گیا تھا اس کا شوہر انشال کا دوست ہونے کے ساتھ، ساتھ اسی کالج میں پڑھاتا تھا۔ بے حد سلجھا ہوا، متین اور سنجیدہ .....علیزہ کی طرح رمشا کو گھر داری یا بچے سنبھالنے سے قطعی دلچسپی نہیں تھی اکثر بھانجا، بھانجی علیزہ کے گھر ہی نظر آتے جن کی علیزہ کے دونوں بیٹوں سے بے حد دوستی تھی۔ جہاں علیزہ کا گھر اس کے سلیقے اور سگھڑاپے کی منہ بولتی تصویر تھا وہیں رمشا کا فلیٹ اس کے پھوہڑپنے ..... بدسلیقگی اور بدانتظامی کا آئینہ دار..... آئے دن ان دونوں میاں، بیوی کے درمیان گھریلو معاملات میں جھگڑے ہوتے ہی رہتے اور علیزہ کے سمجھانے کے باوجود وہ اس کی نصیحتوں کو چٹکیوں میں اڑا دیتی بلکہ اس کے سگھڑاپے اور گھر داری کا مذاق بھی اڑاتی۔ جب تک علیزہ کی ساس زندہ رہیں اس کو خود بھی گھر داری کا اتنا پتا نہیں تھا کیونکہ وہ مزے سے ایک اسکول میں پڑھا رہی تھیں ساس جہاں طبعاً مشفق اور محبت کرنے والی تھیں وہیں علیزہ بھی ساس کی قدر دان اور احترام کرنے والی۔ ان کا گھر محبت، پیار اور امن وسکون کا گہوارہ تھا..... اس کا میکا حیدر آباد میں تھا مگر وہ کبھی عام لڑکیوں کی طرح بھاگ، بھاگ کر حیدر آباد نہیں گئی..... دونوں بچوں کی پیدائش پر بھی اس کی ساس نے اس کا پوری طرح خیال رکھا اور اسے ماں کی کمی محسوس نہیں ہوئی کہ ماں حیدر آباد سے سفر کرنے

بدگمانی کا زہر

چھوٹی چھوٹی باتیں بڑے بڑے رشتوں میں ایسے بدگمانی کے سوراخ کر دیتی ہیں کہ انسان ساری عمر اُن سوراخوں میں وضاحتوں کی اینٹیں لگا کر بھی اپنے خوب صورت رشتے کو نہیں بچا پاتا۔

از: نگہت زیدی، بہاولپور

فریدہ افتخار (اسلام آباد)

سے معذور تھی۔ اس کا بھرا پُرا میکا تھا۔ تین شادی شدہ بھائی تھے مگر اس کے آنے پر بھابیاں خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کرتی تھیں کیونکہ وہاں پر بھی وہ نچلی نہیں بیٹھتی تھی بلکہ ان کے ساتھ ہر کام میں لگی رہتی تاکہ کسی کو اس کا آنا بوجھ نہ لگے۔ جبکہ رمشا کو دیکھ کر بھابیوں کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے تھے کیونکہ وہ وہاں مہمانوں کی طرح بڑے ٹھسے اور طمطراق سے رہتی تھی اور باوجود علیزہ کے سمجھانے کے ہل کر پانی بھی نہیں پیتی تھی۔

''میں یہاں آرام کرنے آتی ہوں کام کرنے نہیں۔ تمہیں اگر ''بندوڑ'' بننے کا شوق ہے تو بنو مگر مجھے